باب الفتاویٰ

## عدت وفات

بلال احمد
مفتی جمعیت اہلحدیث بلتستان

**سوال:** بیوہ کی عدت شوہر کی موت کے دن سے شمار ہوگی یا یوم اطلاع سے؟ جس میں کئی ایام اور ماہ کی تاخیر بھی ہوسکتی ہے؟

سائل: عبدالرحیم روزی

**جواب:** صورت مذکورہ میں کسی عورت کو اپنے غائب شوہر کی موت کی خبر یقین اور شہادت کی بنیاد پر ملے تو عدت اسی روز سے شروع ہوگی جس دن اس کی موت ہوئی ہے۔ کیونکہ خاوند کی موت کے ساتھ بیوہ عورت پر کئی شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں۔ خصوصاً اگر عورت حاملہ ہے تو وضع حمل کے ساتھ ہی عدت احداد (سوگ) ختم ہو جاتی ہے اس وقت عدت کو عورت کے علم کے ساتھ معلق کرنے سے بلاضرورت عورت مشقت میں پڑتی ہے۔

اگر شوہر کی موت پر کوئی یقینی اطلاع نہ ہو تو احداد (سوگ) اسی دن سے شروع ہوگا جس دن اس کو اطلاع ملی ہے اس طرح بھی آثار موجود ہیں۔

☆☆☆☆☆

## اطلاع بابت سبکدوشی سفیر جامعہ اثریہ پشاور

تمام اہل خیر بھائیوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اس سال 2008ء سے حاجی یحیٰ کو جامعہ اثریہ کی شاخ مدرسہ ابوذر غفاری چترال کی چندہ مہم سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد تمام اہل خیر بھائی چندہ براہ راست جامعہ اثریہ بھیج دیں یا ہمارے نمائندے جس کے پاس 2008ء کا تازہ تزکیہ موجود ہو دے دیں۔

والسلام

مدیر الجامعۃ الاثریۃ چمکنی پشاور

جماعتی نظم ونسق: 2

# تنظیم جماعت کا طریق کار

تحریر: محمد ابراھیم خان ورضاء الحق گیلانی
تقدیم: عبدالوھاب خان

## جماعتی زندگی میں اختلافات کے مضر اثرات

اسلام انسان کو اظہار رائے کا حق ضرور دیتا ہے، مگر مخالفت کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ مخالفت کے جراثیم مضبوط ترین اور بڑی سے بڑی جماعت کی وحدت کو بھی پارہ پارہ کر دیتے ہیں اور آن کی آن میں جماعت کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ اس کے بعد جماعت کا کسی بڑے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا تو درکنار، اس کو اپنے وجود کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ ساکھ اور وقار ہی وہ مستحکم بنیاد ہے، جس پر جماعت کا وجود واقبال قائم ودائم رہتا اور ہردم پروان چڑھتا رہتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وأطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ [الأنفال ۴۶] ''اللہ پاک اور اس کے پیغمبر ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں مخالفت وجھگڑا مت کرو، ورنہ تم ناکام ونامراد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

## اختلافات کیوں رونما ہوتے ہیں؟

اس کا بنیادی سبب مختصر الفاظ میں ''ظلم'' ہے۔ بعض حکماء کا قول ہے: ''سلطنت شرک کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں۔'' نا انصافی کبھی حقیقی ہوتی ہے، جس کا انسان واضح طور پر مشاہدہ کرتا ہے اور کبھی فقط ظنی ہوتی ہے، اس کا وہم وگمان کسی نامناسب رویے یا غلط نتیجے کے ملاحظے سے یا کسی بدنیت کے پروپیگنڈے سے پیدا ہوتا ہے۔

### اختلافات سے مخالفتیں جنم لینے کا پہلا سبب: ''ظلم''

ظلم وناانصافی کو مخلوقات کے آپس میں ناجائز اور حرام قرار دینے سے قبل اس حکم کی شدیداً کید کے لیے احکم الحاکمین نے اپنی ذات پاک کے اوپر اس کا التزام کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ رب ذوالجلال سے یہ فرمان روایت فرماتے ہیں: ''يا عبادي! إني قد حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرما فلا تظالموا..... [مسلم بر ح: ۵۵ عن ابی ذر] ''اے میرے بندو! ظلم ایسی بھیانک چیز ہے، جس کو میری ذات پاک نے اپنے اوپر بالکل حرام کر دیا ہے اور اس کو میں نے تمہارے آپس میں بھی حرام کر دیا ہے۔ پس ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رہو۔''

**مخالفت کا دوسرا سبب: ''ظن وگمان''**

عملی طور پر عدل وانصاف کو فروغ دینے سے بدظنی و بدگمانی کے اصل سبب کا انسداد ہو جاتا ہے۔اس نسخہ کیمیا سے اکثر و بیشتر بدگمانیاں وجود میں ہی آنے نہیں پاتیں۔ پھر بھی انسان نفسیاتی طور پر کمزور واقع ہوا ہے، بعض اوقات خواہ مخواہ غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے۔ایسی صورت میں بعض پختہ ذہنیت کے لوگ ڈائریکٹ موقع پر بات کر کے اپنی غلط فہمی دور کر لیتے ہیں ۔لیکن جو لوگ کمزور ذہنیت کے ہوتے ہیں، یا پختہ ذہنیت کے مالک ہونے کے باوجود انہیں اپنا مافی الضمیر پیش کرنے کا مناسب موقع نہیں ملتا، یا انہیں انتقامی کاروائیوں کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ دوسرے لوگوں کے سامنے اپنے دل کی غبار نکال لیتے ہیں۔ پھر اس میں کم فہم لوگ نادانستہ اور بدنیت لوگ دانستہ طور پر حسب خواہش یا حسب تصور ترمیم واضافہ بھی کر لیتے ہیں۔یہیں سے افواہیں اور پروپیگنڈے وجود میں آتے ہیں۔

اسلام نے اہل حل وعقد کے ہاں پختہ ذہنیت کے لوگوں کی رسائی اور انہیں اپنا مدعا بیان کرنے کا موقع دینے کے لیے ''مشاورت'' کا حکم دیا ہے۔اور کمزور ذہنیت یا بدنیت قسم کے لوگوں کی پھیلائی ہوئی افواہوں کی بیخ کنی کے لیے ''بدگمانی'' سے منع کیا ہے۔اور کج رو لوگوں کی حکایتوں کی حقیقت جانچنے کے لیے تحقیق کا حکم دیا ہے۔﴿یـأیها الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ......﴾[الحجرات ۱۲] ''ایمان والو! بہت ساری بدگمانیوں سے پرہیز کرو، بیشک بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں، اور عیوب کی جاسوسی نہ کیا کرو اور ایک دوسرے کی غائبانہ عیب جوئی نہ کیا کرو......'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا :''إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث ......''[بخاری الوصایا ۸،نکاح ۴۵،مسلم بر ح:۲۸] ''میں تمہیں سختی سے منع کرتا ہوں کہ بدگمانی مت کرو، بیشک بدگمانی نہایت جھوٹی بات ہوتی ہے۔'' ''کفیٰ بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع''[مسلم مقدمه عن ابی هر ۷۳/۱] ''انسان کو جھوٹا بنانے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات آگے بیان کرتا پھرے۔''

اجتماعی امور اور ضروری مسائل سے متعلق پھیلائی گئی حکایتوں کے متعلق تحقیقات کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ افواہوں کے برے اثرات سے محفوظ رہا جاسکے۔ارشادِ الٰہی ہے:﴿یـأیها الذین اٰمنوا إن جآء کم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نـدمین ۞﴾[الحجرات ۶] ''ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (یا مشتبہ شخص) کوئی خبر لے آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم (اس افواہ کے تحت)

نادانی میں کسی قوم کے خلاف کوئی کارروائی کریں، پھر تمہیں اپنے کیے پر پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔''

## جماعتی قیادت کو خصوصاً تقویٰ اور اسلامی اصولوں کا پابند ہونا چاہیے

اختلاف کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ بعض دفعہ قائد اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسرے کو زیر کرنے اور اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی کارکردگی سے لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قائد صاحب اپنے منصب اور وسائل کے بل بوتے پر عوام کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ جب یہ خیال پروان چڑھتا ہے اور اس کے ازالے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی جاتی' تو بتدریج جماعت میں شکایات، عدم توازن، بدظنی، مخالفت اور دنگا فساد شروع ہوجاتا ہے۔ یہ سب قائد کی اسلامی تعلیمات پر پابندی میں کوتاہی کا شاخسانہ ہے۔ جماعتی قیادت اس آیت کے مصداق ہوجائے تو دنیا اور آخرت کی فلاح و بہبود قائد اور عوام دونوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿تلک الدار الأخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا فى الأرض ولا فسادا والعاقبة للمتقين ۞﴾[القصص ٨٣] ''یہ آخرت کا نعمت خانہ ہم نے ایسے لوگوں کے لیے مخصوص کر دیا ہے' جو زمین میں بڑائی جتانے اور فساد پھیلانے کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور انجام کار تو ہمیشہ تقویٰ شعار لوگوں کے حق میں ہوتا ہے۔''

نگہ بلند سخن دل نواز، جاں پر سوز  یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

## اختلافات کم کرنے کا طریقہ

جماعتی افراد کے آپس میں اور ذیلی جماعتوں کے درمیان باہم مضبوط رابطہ قائم ہونا لازمی امر ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿يـأيها الذين امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون ۞﴾[آل عمران ٢٠٠] اس آیت میں آپس میں ربط و تعلق مضبوطی سے قائم رکھنے کی تلقین بھی ہے۔

مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کا بیان ہے: ''اختلافات کے باوجود آپس میں رابطہ قائم رکھو۔ دینی جماعتوں کے زعماء کے اندر رابطے کا فقدان ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے اختلافات محض ملاقات کے سبب ختم ہوتی اور دوریاں قربتوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔''

## اختلافات مٹانے کا شرعی فارمولا

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو متحد و متفق رکھنے کے لیے جو زرین موقع اور واضح ہدایت دی ہے شاید ہی کسی امت

کے حصے میں آئی ہو۔ان ہدایات کی روشنی میں اختلافات مٹانے کا سادہ اور واضح نظام نظر آتا ہے:

[۱] **باہمی محبت** ﴿ محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم ﴾[الفتح ۲۹] ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور آپ کے ساتھی ﷺ کافروں کے معاملے میں سخت مزاج اور اپنے آپس میں نہایت رحمدل ہیں۔'' اس رحمدلی، ہمدردی اور باہمی تعاون کی مثال نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:'' ترى المؤمنين في توادّهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد إذا اشتكى منه عضوٌ تداعىٰ له سائرُ الجسد بالسهر والحمىٰ''[بخاری ادب ۲۷، مسلم بر ح: ۲۶] ''تو اہل ایمان کو دیکھے گا کہ محبت باہمی، آپس کی ہمدردی اور خیرخواہی میں ایک ہی جسم کے مانند ہیں۔جس کا ایک عضو دکھتا ہے تو بقیہ سارا بدن بے خوابی اور بخار کی شکل میں فریاد کرنے لگتا ہے۔'' اور جو ایسے اعلیٰ اخلاق سے عاری ہیں ان کی شدید مذمت کرتے ہوئے فرمایا '' ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يؤقر كبيرنا '' [ترمذی بر ۱۵ ح: ۱۹۱۹ عن انس ۲۸۳/۴ وصححه الالبانی] ''جو امت کے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، بزرگوں کا احترام نہ کرے وہ ہماری امت کے اوصاف سے عاری ہے۔''

[۲] **عدل وانصاف اور اصلاح کی سنجیدہ کوشش:** فرمان الٰہی ہے:﴿وإن طآئفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحدٰهما على الأخرىٰ فقاتلوا التي تبغي حتىٰ تفيٓء إلىٰ أمر الله فإن فآء ت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا إن الله يحب المقسطين ۞﴾[الحجرات ۹] ''اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان دونوں کے مابین اصلاح (منصفانہ فیصلہ) کردو۔اگر پھر بھی ایک (قوی گروہ) دوسرے (کمزور) پر زیادتی کرے تو تم (سب مل کر) اس باغی گروہ کے خلاف لڑو (مناسب ومؤثر کارروائی کرو) یہاں تک کہ وہ سر پھرا (مجبور ہوکر) حکم الٰہی (منصفانہ فیصلے) کی تعمیل پر لوٹ آئے۔اگر وہ رجوع کرلے تو تم پھر دونوں کے مابین انصاف کے تقاضوں کے مطابق اصلاح کردو اور عدل کا دامن چھوٹنے نہ دو، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف پرور لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔''

جب مسلمانوں کے اندر اختلافات رونما ہوجائیں تو مسلمانوں کے اصحاب حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ فریقین کے مابین صلح وآشتی کے لیے پرخلوص کوشش کریں۔اس بارے میں سب سے پہلی منزل یہ ہے کہ مقدمہ شرعی

تقاضوں کے مطابق سنا جائے اور فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق صادر کیا جائے۔ پھر اگر ایک گروہ اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر انصاف پر مبنی فیصلے کو قبول نہیں کرتا اور من مانی سے دوسرے پر ظلم وستم ڈھاتا ہے، تو معاشرے پر لازم ہے کہ خاموش تماشائی بنے نہ رہیں، بلکہ صلح کرنے والوں کا ساتھ دے کر متحارب گروہ کے خلاف برسر پیکار ہو جائیں۔ یا حالات کے مطابق اس باغی کا بائیکاٹ کر کے اسے اخلاقی طور پر شکست دیں اور اس کا سیاسی وجود مٹا دیں۔ حتیٰ کہ مسلح تصادم سمیت کوئی بھی ایسا اقدام کیا جائے جس کے نتیجے میں باغی گروپ شریعت کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہو جائے۔ اس مقام پر اللہ پاک عدل وانصاف کا خصوصی حکم دیتا ہے، کیونکہ یہ وہ مرحلہ ہے جس میں عوام وخواص باغی گروہ پر غضبناک ہوتے ہیں اور انتقامی ذہنیت عدل وانصاف کے تقاضوں سے متصادم ہو جاتی ہے۔ پس اسلام خوشی وانبساط کی طرح غیض وغضب میں بھی عدل وانصاف کے التزام کی تلقین کرتا ہے۔

## انسانی معاشرے کے پیچیدہ مسائل کے حل کے بنیادی اصول

[۱] قرآن مجید اور سنت صحیحہ مطلق واجب الاطاعت ہے۔ ان کے مقابلے میں کثرت وقلت اور انسانی عقل وفکر کی کوئی حیثیت نہیں۔

[۲] ٹھوس فکری، نظری دلائل معتبر تجربات اور واضح قرائن کی موجودگی میں جمہوریت کے اصول کالعدم اور ناقابل التفات ہیں۔

[۳] دونوں طرف دلائل، برابر ہوں یا اختلاف رائے قائم رہے، تو اجتماعی زندگی میں اہل حق کی اکثریت کا اتباع لازم ہے۔ ☆ یہی وہ طرز حکومت ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے پسند فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی پر گامزن رہے۔ اگر کوئی صحابی کسی مسئلے میں افہام وتفہیم کے لحاظ سے الگ سوچ رکھتا، بلکہ اس کا اظہار بھی کرتا تب بھی

---

☆ ایسے معاملات میں ارکانِ مشاورت کو چاہیے کہ امیر کو قائل کرنے کی کوشش کریں، اگر وہ قائل نہیں ہوتا تو مجلس کی ''اکثریت'' کو نہیں بلکہ ''امیر'' کو ہی ترجیح کا حق حاصل ہے، اگرچہ غالب ترین اکثریت مخالف رائے رکھتی ہو۔ بہر حال اکثریت واقلیت سب پر اپنے امیر کی اطاعت لازم ہے۔ اس کی واضح مثال مانعین زکاۃ سے جنگ کا مسئلہ ہے، جس میں حضرت صدیق نے ''بمن تقاتل؟'' کے جواب میں '' وحدی حتیٰ تنفرد سالفتی'' فرمایا تھا۔ [متفق علیہ] جبکہ مخالف گروہ غالب اکثریت پر مشتمل تھا اور ان کے پلو میں شرعی نصوص سے استدلال کی گنجائش کے علاوہ سنگین حالات کا معروضی تقاضا بھی تھا۔ اسی طرح جیش اسامہ کا مسئلہ بھی ہے۔ واللہ أعلم (عبدالوھاب خان)